جدید مرثیہ اور اس کی خصوصیات

مؤلف: ڈاکٹر منتظر مہدی

انیس اور دبیر یا ان کے ہم عصر اہم مرثیہ نگاروں کا معیار اور مقام اپنی جگہ مسلم ہے لیکن ان کے بعد کے شعراء کے کارناموں کو بھی ان کی وسعت نگاہ اور جدت طبع کی بنا پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس دور میں ایک طرف جہاں انیس و دبیر کی بڑی حد تک تقلید یا ان کے قائم کردہ خانوں ہی میں رنگ بھرنے کی کوشش ہو رہی تھی اسی کے ساتھ ایک خاصی تعداد کچھ ایسے مرثیہ گو شعراء کی بھی تھی جو بدلتے ہوئے سماجی رجحانات کو محسوس کر رہے تھے اور تاریخ مرثیہ نگاری میں نئی راہوں کی تلاش میں تھے۔

مولانا حالیؔ نے اردو ادب کو ایک نئی روشنی دی تھی اور اسے گل و بلبل اور جام و مینا کے مضامین اور افسانوں سے پاک کرنے کی کوشش کرکے فکر و عمل اور علم کی ترغیب دی تھی۔ جس کے سبب دوسرے اصناف کی طرح مرثیہ بھی زندگی کے عام مسائل اور رجحانات پر غور کرنے اور ان کے حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو سکا اور اس عام افادی اور مقصدی شاعری کے دوش بدوش چلنے کے قابل ہو سکا۔ سب سے پہلے مرزا دبیر کے بیٹے مرزا اوج نے مرثیہ نگاری کو جس نئی ڈگر پر ڈالنے کی شروعات کی تھی اس روایت کو آگے بڑھانے میں بہت سے مرثیہ گو اس عہد میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے تھے۔ جن میں شاد عظیم آبادی کا نام خاص طور پر لیا جا سکتا ہے۔ شاد کے علاوہ صفیر بلگرامی اور بعض دوسرے شعراء کے مرثیوں میں بھی اس نئی روش کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ان شعراء نے اصلاحی مضامین کو مرثیہ نگاری میں تھوڑی بہت ضرور جگہ دی ہے۔

اس طرح اس دور میں بعض مرثیہ گویوں نے بدلتے ہوئے سماجی رجحانات کو سمجھا اور مرثیہ کے مستقبل کے لئے بقاء کا سامان مہیا کیا۔ نفیس، علی میاں کامل، وحید اور شمیم امروہوی نے ان رجحانات کو اپنانے کے ساتھ روایت کی پاسداری بھی برقرار رکھی۔ خاص کر شمیم امروہوی نے مرثیوں میں تاریخ و

روایت کی پیشکش میں جدت طبع کے ساتھ زبان اور بیان کا معیار بلند کیا اور عناصر مرثیہ کی پابندی بھی کی۔ ۱۸۵۷ کے بعد کے حالات کے پیش کرنے میں سرسید کی تحریک، عوام کو نظم کے بجائے نثر کی طرف راغب کر رہی تھی لیکن اس کے باوجود عقیدت کے اظہار کے طور پر مرثیہ گو مرثیہ کہنے پر مائل تھے۔ ان کے مرثیوں میں دوسرے مضامین یا مسائل کے بجائے مصائب کے بیان پر زیادہ زور تھا۔ پیارے صاحب رشید نے اس صورت حال کا مشاہدہ کیا۔ انہوں نے کچھ ایسے مضامین پر زور دیا جو شعراء کی ذہنی آسودگی کا سبب بن سکیں۔ یعنی بہار اور ساقی نامہ پر انہوں نے خصوصی توجہ دی۔ لوگوں کے ذہنوں سے افسردگی اور بے بسی کی کدورت ختم ہوئی۔ رزمیہ بیانات سے حوصلہ اور جرات ملی۔

بیسویں صدی کے اوایل میں سر سیدؔ اور حالیؔ کی کوششیں بارآور ہوئیں اور حالات نے آہستہ آہستہ رخ بدلنا شروع کیا۔ قوم میں بیداری کی لہر دوڑنا شروع ہوئی اور تعلیم کا چرچا عام ہوا جس سے نظریات تبدیل ہوئے۔ ان حالات میں دوسرے شعراء کی طرح مرثیہ نگاروں نے بھی اپنی شاعری کا رخ بدلا۔ شہنشاہیت اور ملوکیت سے نفرت اور غلامی اور جہالت کے خلاف آواز اٹھی۔ چنانچہ شعراء نے بھی ان حالات کو مرثیوں میں جگہ دینا ضروری سمجھا اور واقعہ کربلا کو محض عقیدت مندی کے ساتھ پیش کرنے کے بجائے فکر و شعور اور فلسفیانہ ڈھنگ سے پیش کیا اور روایت پر جمے رہنے کے بجائے کربلا کی ان سچائیوں کو منطقی انداز میں نمایاں کیا جانے لگا جو تحریک آزادی ہند سے ہم آہنگ ہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف پروفیسر مسیح الزمان نے اس طرح کیا ہے:

> ”بیسویں صدی میں سماجی زندگی میں تغیر کے سبب فکری دنیا میں بھی آہستہ آہستہ انقلاب آنا شروع ہوا۔ اس دور میں علمی بصیرت دینی بیداری اور جذبات کا احیا ہو رہا تھا۔ ادب اور زندگی کے باہمی تعلق پر غور کیا جا رہا تھا اور موجودہ ادب سے یہ توقع کی جا رہی تھی کہ وہ ہمہ گیر ہو یعنی جد و جہد آزادی میں عوام کا ساتھ دے سکے۔“ [1]

ویسے تو اوجؔ اور ان کے بعد شادؔ نے مرثیہ میں جدت لانے کی کوشش کی تھی لیکن اس رنگ کو پوری طرح اپنایا نہ جا سکا اس لئے کہ اس زمانہ میں عوام کا ذہن اس طرز جدید کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا

۱۔ وحید الحسن ہاشمی، عظمت انسان مع مقدمات، ص ۳۲

پھر بھی وہ زمانہ جسے دور جدید کا آغاز کہا جاتا ہے اس میں جدید مرثیہ کے خد و خال ابھرنے لگے تھے۔ اس تبدیلی اور رجحان کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر طاہر حسین کاظمی لکھتے ہیں:

> ''جوشؔ ملیح آبادی نے اپنے ولولہ انگیز مرثیوں سے انقلاب اور تحریک آزادی کا کام لیا اور سیاسی موضوعات نظم کیے۔ آل رضاؔ نے واقعات کو فلسفیانہ نظر سے پیش کرنے کی کوشش کی۔ جمیلؔ مظہری نے مرثیوں سے قوم کی اصلاح اور بیداری کا کام لیا۔ نجمؔ آفندی نے واقعہ کربلا اور ذکر حسینؑ کی ہمہ گیری کا اعلان کیا۔ نسیمؔ امروہوی نے عام مسائل کے ساتھ ساتھ مصائب کے بیان میں سوز و گداز کا معیار باقی رکھا۔ ان شعراء نے مرثیہ میں پیغام عمل اور پیام بیداری کو خصوصی طور پر جگہ دے کر انسانی فکر و احساس کو نئی روشنی دی جس کے سبب مرثیہ اپنے دور کے معاشرتی اور تہذیبی تقاضوں کو پورا کرنے میں کامیاب ہوا۔ زندگی کے عام مسائل پر فلسفیانہ طرز فکر کے ساتھ حسینی کرداروں اور واقعات کربلا کے پس منظر میں اس دور کا مرثیہ کچھ نئی اور اہم جہات سے روشناس ہوا۔''[1]

اس موقع پر یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ اسی زمانے میں آزادؔ، شبلیؔ اور حالیؔ نے مرثیہ نگاری کو بحیثیت فن تسلیم کیا اور اسے تنقید میں شامل کیا اور مرثیہ کو سب سے زیادہ اہم اور پاکیزہ صنف قرار دیا۔

مرثیہ کا یہ ارتقاء بہت سے ایسے اسباب کا نتیجہ ہے جو ہر فن کی ترقی میں پیش آتے ہیں۔ مرثیہ کا ابتدائی زمانہ محض اظہار تاثر اور عقیدت تک ہی محدود تھا۔ زبان و بیان کا استعمال نہ تو فن کارانہ تھا اور نہ شعراء کے سامنے مرثیوں کے اعلیٰ نمونے تھے اور نہ اردو شاعری منزل ارتقا تک ہی پہونچی تھی۔ اسی لئے مرثیہ نگاروں نے مرثیہ کے بنیادی عناصر یعنی اظہار عقیدت اور اظہار مصائب کو ہی مرکزی جگہ دی اور اپنے تصورات کو توانائی بخشی۔

ہر دور میں مرثیہ کا اصل مقصد وصف میت بیان کرنا اور اظہار رنج والم ہی رہا ہے۔ مرثیہ نگاروں نے خاص کر دور تعمیر و تشکیل کے مرثیہ گویوں نے مرثیہ کی غیر معین ہیئت سے فائدہ اٹھا کر آزادئ بیان کے مظاہرے کیے اور واقعہ کربلا کے روح فرسا واقعہ کو مرکزی حیثیت دے کر دوسرے مضامین مثلاً سراپا، منظر،

۱۔ طاہر حسین کاظمی، اردو مرثیہ میر انیس کے بعد، ص ۱۰۵

رزم، تلوار اور گھوڑے کی تعریف جیسے مرقعوں کو مرثیہ میں شامل کیا۔ جس سے انہیں نہ اپنے مقصد سے انحراف کرنا پڑا اور نہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا گلا گھوٹنا پڑا۔ جدید فن مرثیہ نگاری کا طرز تخاطب، اسلوب اور آہنگ انیس و دبیر اور ان کے ہم عصر شعراء کے مرثیوں سے کچھ شعبوں میں یکسانیت کے باوجود الگ ہے۔ اس لئے کہ عہد حاضر جسے ہم دور جدید کہتے ہیں، کے تجربات و معاملات، مسائل و تقاضے ان کے اپنے دور کے مزاج اور رجحان کے مطابق ہیں۔ اسی ضمن میں ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی لکھتے ہیں:

> ''بین الاقوامی حالات اور نئی تعلیم نے دماغوں میں مذہب اور عقل کی کشمکش تیز کر دی۔ پرانے عقائد اور تصورات کے سر بہ فلک محل ایک کے بعد ایک کر کے زمین بوس ہوتے جا رہے ہیں۔ نئے دور کے ثقافتی تقاضے مذہب پر کاری ضربیں عائد کر رہے ہیں، مذہب سے خلوص عقیدت کی جگہ ذہنوں میں تشکیک کے عناصر ابھر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں مرثیہ گو بھی اپنا انداز بیان بدلنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ چنانچہ آج کے مرثیہ گو امام حسینؑ کو بین الاقوامی رہنما کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں جو جہاد و عمل اور قربانی کے سہارے دنیا کے بگڑتے ہوئے حالات کی اصلاح کر سکتا ہے۔ آج کے شاعر کے نزدیک حسینؑ، روحانیت کے پیکر اتم نہیں انسانیت کاملہ کا نتیجہ ہیں۔''[۱]

ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی کے اس خیال کی تائید پروفیسر یوسف جمال انصاری صاحب نے یوں کی ہے:

> ''آج کا مرثیہ ایک حد تک ملّی بھی ہے اور مذہبی بھی۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاں امام عالی مقام اور اہلبیت انصار کی یادیں وابستہ ہیں وہیں یہ کوشش بھی شاعر کے پیش نظر رہتی ہے کہ اس کا ایک بڑا فرض اس پیغام کو عوام تک پہونچانا ہے جو واقعہ کربلا سے ہمیں ملتا ہے۔ یہ دور تشکیک اور جمود کا دور ہے۔''[۲]

حقیقت یہ ہے کہ آج کا مرثیہ گو بالکل سیدھے سادھے انداز میں واقعات کربلا کی روشنی میں سرفروشان اور مجاہدین اسلام کے کارناموں کے آئینہ میں عام انسانی صفات یا اس میں چھپی ہوئی صلاحیتوں کو

۱۔ ذاکر حسین فاروقی، دبستان دبیر، ص ۸۷

۲۔ وحید الحسن ہاشمی، عظمت انسان مع مقدمات، ص ۹۷

اجاگر کرنا چاہتا ہے۔ اس کی اس فکر اور کوشش میں کربلا کے ان برگزیدہ شخصیات کا روحانی وقار و مرتبہ ضمنی طور پر نمونہ بنتا ہے جس سے موجودہ دور کے سیاسی اور معاشرتی تقاضوں کی گتھیاں عقل و فہم کی روشنی میں کھلنے لگتی ہیں۔ اصلاحی اور تعمیری تحریکات کو بڑھاوا ملتا ہے لیکن کربلا کے مختلف کرداروں کی سیرت اور ان کا طرز حیات اور عمل باقاعدہ روز مرہ کی زندگی کے پیرائے میں قاری یا سامع کے سامنے نہیں آتا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی کا تجزیہ جدید مرثیہ کے محرکات اور قدیم مرثیہ کی روایت سے انحراف کو واضح کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

> ''جدید دور، مذہب اور عقل و فکر میں ایک خاص قسم کے التزام اور ہم آہنگی کا متقاضی ہے جس کے سبب سیرت نگاری یا واقعات کربلا کے تسلسل سے بیان کا موقع شاعر کو نہیں ملتا اور وہ مذہبی پند و نصائح اور اس کی تعلیم و تربیت کو عقل و خرد کی کسوٹی پر کس کر سائنٹفک اور فلاسفک انداز میں اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ جس کی ذمہ داری صرف مرثیہ گو ہی پر نہیں عاید ہوتی بلکہ سامع کی عدیم الفرصتی طرز فکر اور طرز معاشرت بھی اجازت نہیں دیتی کہ وہ طول طویل داستانی اور حکایتی انداز کے ادب اور شاعری کا متحمل ہوسکے۔ یہ اثر ہمیں مرثیہ کے علاوہ دیگر اصناف سخن میں بھی نظر آتا ہے۔ خواہ نظم ہو یا نثر ہر چیز اختصار کی طرف مایل ہے۔ جدید دور کے مرثیہ میں ایجاز اور اختصار کے پیش نظر فکر و فلسفہ اور اخلاقی مضامین کو عام انسانی سطح پر لاکر مذہب کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش ملتی ہے جس سے مرثیہ پر اس قسم کے اعتراضات کی بھی نفی ہوتی ہے کہ مراثی میں مذہب و اخلاق پر فلسفیانہ اور مفکرانہ انداز میں بحث کرنے کے بجائے اس کی طوالت پسند واقعہ نگاری پر توجہ دی گئی ہے۔''[۱]

واقعات کربلا میں انسانی زندگی کے تمام تر گوشوں، مراتب و مراحل سن و شعور وغیرہ کے لحاظ سے روشنی ملتی ہے۔ جس میں تہذیب، آداب و اطوار، انقلاب و انتشار کے امکانات کے اعتبار سے ہر دور کے انسان، قوم یا فرد کو فیض پہونچانے کی صلاحیت موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے مرثیہ نگاروں نے

۱۔ ذاکر حسین فاروقی، اردو مرثیہ میر انیسؔ کے بعد، ص ۱۰۶

مرثیہ سے وہی کام لینا شروع کیا جس کا یہ واقعہ متحمل ہو سکتا تھا۔ اسی طرح مرثیہ نگاروں نے اپنے وقت و دور کے لحاظ سے موجودہ رجحانات اور مسائل اور تقاضوں کو اپنے مرثیہ میں داخل کر لیا۔ کربلا کا واقعہ ایک زبردست واقعہ ہے۔ ہر بڑا واقعہ کسی بھی قوم، ملک یا سرزمین یا کسی خاص وقت میں رونما ہوتا ہے۔ اس میں یہ خاص وصف ہوتا ہے کہ اس میں آفاقیت اور ابدیت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔

اگر اعتدال پسندی کو پیش نظر رکھا جائے تو کوئی بھی نظم قدیم یا جدید اگر بہ شکل مسدس ہو اور اس میں ائمہ معصومینؑ، ان کے رفقاء اور مصائب آل اطہار علامتی طور یا بیانیہ انداز میں ہوں اور عناصر مرثیہ کی پابندی جزوی طور پر یا پوری طور پر کی گئی ہو مرثیہ کہلانے کی مستحق ہے۔ شاعری ایک تخلیقی عمل ہے جس میں شاعر اپنے دور کے اجتماعی شعور یا وجدان اور رجحانات کی بلندیوں پر پرواز کرتا ہے۔ اگر بفرض محال وہ ان سے دامن بچانا بھی چاہے تب بھی یہ عوامل کسی نہ کسی شکل میں اس کے ذہن میں کارفرما ہوتے ہیں جس کا پرتو اس کی تحریر یا شاعری میں جھلکتا ہے۔

اور یہ معجزہ ہے حسینؑ اور حسینی کرداروں کے تذکرے کا کہ وہ ہر دور کے رجحانات اور ضروریات کے مطابق انسانی شخصیات کی بالیدگی اور امکانات کے سبھی پہلوؤں پر محیط ہوتا ہے۔ جہاں تک میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ اور دیگر بڑے شعراء کے مرثیوں کا تعلق ہے نہ اس طرز مرثیہ گوئی کی کوئی برابری کر سکا ہے اور نہ شاید آئندہ ممکن ہو لیکن یہ حقیقت بھی نا قابل تردید ہے کہ جدید مرثیہ نگاروں نے مرثیہ کو جس نئی راہ سے گذارا اس کی بھی اہمیت اپنی جگہ پر لازوال ہے اور جدید مرثیہ نگاروں کی مصلحت بینی، دور اندیشی اور حالات کی نبض شناسی کی ہی وجہ سے انہوں نے مرثیہ کو خیالی دنیا سے نکال کر عملی زندگی سے جوڑ دیا ہے۔

اس تحریک جدید کے علمبرداروں میں جوشؔ کا نام سرفہرست ہے جنہوں نے عناصر مرثیہ کی پابندی کو لازم نہیں رکھا اور مرثیہ کو نئی طرز اور سمت سے روشناس کرایا۔ جوش کے علاوہ دوسرے کئی شعراء ایسے ہیں جنہوں نے روایت کی پابندی کو بھی ملحوظ رکھا اور دور جدید میں بھی طبع آزمائی کے جوہر دکھاتے رہے ہیں۔ مثلاً فراستؔ زیدپوری، قمرؔ جلالوی، خبیرؔ لکھنوی، فائزؔ، مودبؔ، مہذبؔ وغیرہ یہ لوگ فکر کے اعتبار سے تو دور جدید میں ہیں لیکن فن کے لحاظ سے قدیم ہیں جب کہ موضوعات اور فنی تقاضوں کے پیش

نظر مرثیہ کو ایک نئے آہنگ سے روشناس کرانے کا سہرا اوجؔ اور شادؔ کے بعد جوشؔ ملیح آبادی اور جمیلؔ مظہری کے سر جاتا ہے۔

جدید مرثیہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جدید مرثیہ نگاروں نے ان اجزائے ترکیبی کو تو بالکل کالعدم ٹھہرایا جو قدیم مرثیہ کا خصوصی اور اہم ترین جزو تھے۔ زمانہ کے حالات اور ذہنی پس منظر میں تبدیلی کے ساتھ تلوار اور گھوڑے کی تعریف کب تک ہوتی رہتی اور نیز یہ کہ اس بیان میں انیسؔ و دبیرؔ کا مقابلہ امر محال تھا۔ چنانچہ بعد میں آنے والوں نے اپنے لئے نئی نئی راہیں تلاش کیں۔

جوشؔ، جمیلؔ مظہری، نجمؔ آفندی، آلؔ رضا، نسیمؔ امروہوی وغیرہ نے اوجؔ کے انداز کی بڑی حد تک تقلید کی اور مرثیہ کے ابتدائی حصے میں تلوار اور گھوڑے کی تعریف کے بجائے اپنے دور کے مسائل، معاشرے اور تہذیبی اذکار کو ضروری جانا۔ اس زمانے کی سب سے بڑی اور اہم تحریک آزادی جو ملک کو بچانے کی تحریک تھی شعراء نے اس کا ذکر کیا اور ایک زندہ اور بیدار ذہن کے انسانی فرائض اور دوسرے سماجی مسائل کو مرثیوں میں جگہ دی۔ انیسؔ کے مرثیے انیسؔ کے دور کی جدید تخلیق تھے لیکن ان میں وہ بات نہیں ہے جسے آج جدید کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے اس زمانہ میں آج کے دور کی زندگی کے مسائل نہیں تھے۔ انیسؔ کے یہاں جاگیر دارانہ نظام اور تہذیب کی جھلک ہے۔ آج دوسرا نظام ہے۔ آج کے ادب میں مارکسی، نفسیاتی اور جنسی تنقید کے اثرات نمایاں ہیں۔

مرثیہ میں مقصدیت اور افادیت کو عام سطح پر لا کر پیش کرنے کی سہولت ہے۔ مرثیہ کی اس صفت سے فائدہ اٹھا کر جدید شعراء نے عوام میں جوش و ولولہ پیدا کرنے کے لئے واقعات کربلا کا سہارا لیا۔ سر سیدؔ کی تحریک اور حالیؔ کے اقدام سے اردو نثر و نظم میں تبدیلی آئی اور ایک نیا طرز بیان سامنے آیا۔ اس سے صنف مرثیہ بھی متاثر ہوئی اور مرثیہ میں گل و بلبل اور ساقی نامہ کے بجائے وضاحت اور تائید پر زیادہ زور دیا جانے لگا۔ آیات قرآنی اور احادیث کا سہارا لیا جانے لگا۔ پیش کش میں فرق ضرور نظر آتا ہے زندگی اور وقت کے تقاضوں کے لحاظ سے اب مرثیہ سے مراد صرف گریہ و بکا اور بیان مصائب ہی نہیں رہ گیا تھا بلکہ ذہنی سطح پر قاری اور سامع دونوں کو براہ راست متاثر کرنا مرثیہ کا مقصد بن گیا۔ اس میں شک نہیں کہ تبلیغ اور خطابت ان کے معاصر اور ان کے بعد کے شعراء کے یہاں نظر آتی ہے لیکن مرثیہ کے ذریعے ان کا بھی مقصد تزکیۂ نفس ہے اور یہ کہ واقعہ کربلا کے آئینہ میں تطہیر ذات، ایثار و قربانی کے جذبہ کو بیدار کرنا ان مرثیہ

گویوں کا مقصد رہا ہے لیکن یہ انداز شعوری طور پر ان کے یہاں نہیں جس طرح جدید شعراء پیش کرتے ہیں۔ جدید شعراء کا مقصد عالم انسانیت کو خواب گراں سے جگانا ہے۔ ان کا یہ پیغام کسی خاص فرقے یا عقیدت تک محدود نہیں ہے، بلکہ ہر درد مند دل اور حساس ذہن کے لیے پیغام ہے جس میں نام حسینؑ علامت خیر اور یزید کا نام شر و بدی کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

جدید مرثیہ اچھائی برائی، کفر و ایمان، صبر و جبر، راست روی اور گمرہی، حریت و استبداد، مظلومی اور قربانی وغیرہ کی علامتی پیش کش سے انسان کو امن و آشتی اور حق پرستی کا درس دیتا ہے۔ اس اعتبار سے آج کا مرثیہ ملی حیثیت کے ساتھ ساتھ مذہب اور انسانی فطرت کی بلندی اور عظمت کی ضمانت بھی دیتا ہے۔ آج کا مرثیہ نگار چند واقعات اور محدود جذبات کی عکاسی کے ذکر تک ہی محصور نہیں رہتا بلکہ آزادانہ طور پر کھلی فضاؤں میں بات کہنے والا فنکار ہے۔

جدید مرثیہ میں کوئی نہ کوئی افادی پہلو یا مقصدیت ضرور ہوتی ہے۔ اس کے سامنے نام و نمائش کا جذبہ نہیں رہتا جو قدماء کے دور میں رہا ہے۔ قدیم مرثیہ نگار روایات و واقعات کو بیان کرکے داد سخن پاتا اور کربلا کے کرداروں کے اوصاف و مصائب اور شہادت کی مقصدیت کو بیان کو ہی ماّل مجلس سمجھتا تھا۔ آج کے مرثیہ کا افق وسیع ہے جدید مرثیہ نگاروں نے دین اسلام سے فداکاری کے ساتھ دین انسانیت اخذ کیا ہے۔ اس کی نگاہ میں حسینؑ اور کربلا کے دوسرے کردار (اصحاب حسینؑ) نہ صرف محسن اسلام ہیں بلکہ محسن انسانیت بھی ہیں۔ امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کے کردار مرثیہ کے توسل سے عام طور سے علامتی طور پر بیان کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ حسینؑ دنیائے ادب میں رنج عظیم کی علامت بن گئے ہیں اور مرثیہ گو اس علامت کے ذریعہ انسان میں حق و راستی، صداقت و شجاعت، ایثار و محبت کی روح پھونکتا ہے۔

جدید مرثیہ میں رونا رُلانا، بے بسی، بے چارگی اور مصیبت زدگی کا اظہار نہیں ہے بلکہ یہ آنسو مرد مجاہد، جرات مند انسان اور مرد شجاع کے آنسو ہیں جو عین تقاضائے بشریت اور فطرت ہیں۔ یہ آنسو کفر و الحاد کے خلاف جہاد اور نبرد آزما ہونے کے جذبے کو ابھارتے ہیں۔ کسی ہیرو کی میدان جنگ میں آمد۔ میدان جنگ کا ہمہمہ اور غم و الم کی فضا کا جدید مرثیوں میں لحاظ ضرور رکھا گیا ہے۔ حرب و ضرب کا ذکر، جنگ کا بیان، تلوار اور گھوڑے کی تعریف وغیرہ کو باقی رکھنے کی کوشش بھی ہے اور ان سب کے ساتھ مرثیہ اور واقعات کربلا کے تعلق کو قائم رکھنے کے لیے ٹکراؤ اور بے چینی کے مناظر حق و صداقت کی خاطر مصائب

برداشت کرنا اور انسان کے ظاہر و باطن کے تصادم کی لائق قدر تصویریں پیش کی ہیں۔ جدید مرثیہ کے کردار بتاتے ہیں کہ راہ حق میں ڈٹ کر تحفظ دین و ایمان اور اپنے جگر پاروں کی شہادت گوارہ کر لینا کربلا کا تعمیری اور بنیادی مقصد ہے۔ مثلاً:

کیسے معصوم تھے معصوم گھرانے والے — مرتبہ دین محمدؐ کا بچانے والے
پاس جو کچھ تھا وہ مذہب پہ لٹانے والے — جان دے دے کے شریعت کو بچانے والے
دین سمجھا کیے اس خدمت ایمانی کو — بچے پالے گئے اسلام پہ قربانی کو[1]

❖

مختصر جائزہ کے لیے آل رضا کے یہ بند ملاحظہ کیجئے۔ انہوں نے قدیم مرثیہ کی عظمتوں کے حترام کے ساتھ جدید دور کے تقاضوں کے تحت مرثیہ کے کیا لوازم ہیں ان پر بڑی عمدہ روشنی ڈالی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

سکھا گئے ہیں وہ تنظیم مرثیہ کا شعور — نہ یہ کہ کر گئے ہر جوڑ بند پر مجبور
چلا کرے گا کہاں تک یہ محترم دستور — وہی کہو جو وہ کہتے تھے ورنہ بزم سے دور
یہ مجلسوں کا تبرک ہے بے شمار بٹے — جو ایک بار بٹا ہے وہ بار بار بٹے
ہر اک زمانے میں اجزائے مرثیہ بدلے — تھے ایک دور ہی میں مرثیوں کے رنگ نئے
کہو ضرور کہو جو بزرگ کہتے تھے — مگر کچھ اپنی طرف سے بھی خاص بات رہے
کلام غیر کو اپنا لیا تو کیا حاصل — ادل بدل کے وہی رکھ دیا تو کیا حاصل[2]

انیسؔ و دبیرؔ کے زمانے میں علامت نگاری کا وہ انداز نہیں تھا جو آج ہے۔ قدیم مرثیہ گویوں کے یہاں حسینؑ سے مراد حسینؑ ابن علیؑ ہی تھے لیکن آج کا مرثیہ گو لفظ حسینؑ کے کردار کے پس منظر میں کسی بھی مظلوم و بے کس اور مرد حق پرست کو مراد لے سکتا ہے۔ مثلاً

مسلم حبیب جون زہیر ابن قین تھے — اک انجمن میں آج بہتر حسینؑ تھے

۱۔ سید آلِ رضا، مراثی رضاؔ، ص ۳۷
۲۔ ایضاً، ص ۲۶۴

یہاں حسینؑ کسی مخصوص شخصیت کا نام نہیں ہے بلکہ ایک علامت ہے۔ انیسؔ و دبیرؔ کے زمانے میں یہ علامتی انداز نہیں تھا۔ اسی طرح آج کا شاعر پیاس کو صرف ہونٹوں کے لیے نہیں بلکہ زندگی کی عام محرومی کی علامت کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

اقبالؔ کے یہاں بھی علامت نگاری کا یہ انداز نظر آتا ہے۔ کربلا، فرات، تشنگی، حسینؑ و یزید غرضکہ سب کچھ اقبالؔ نے علامت کے طور پر نام لیے ہیں۔ اقبال کے بعد ان الفاظ کے مفاہیم وسیع سے وسیع تر ہوتے گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ واقعہ کربلا کسی خاص طرز سیاست کا علم بردار یا مبلغ نہیں ہے اس کا مقصد صرف حق و صداقت کی حمایت، اسلام کی پاسداری اور بقا و بہبود ہے۔ جدید مرثیہ کا یہ وصف خاص ہے کہ اس نے طرفداری اسلام کی خاطر کہیں کہیں خطیبانہ انداز بھی اپنایا ہے۔ یہی وجہ ہے مرثیہ کی مقبولیت اور افادیت دوسرے اصناف سخن کی طرح باقی ہے۔ مایوسی اور بے چارگی جدید مرثیہ کے موضوع سے خارج ہیں۔ قدیم مرثیہ گویوں کی طرح جدید مرثیہ نگار نے مقامی رنگ اور ہندوستانی تہذیب کی جھلک دکھانے میں مناسب ہندی الفاظ کا استعمال روا رکھا ہے جو اپنی فوقیت دکھانے کے لیے نہیں بلکہ ضرورت کے تحت ہے۔ بقول ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی:

> ''اصول ترتیب و تخلیق بعد میں وضع کیے جاتے ہیں۔ پہلے لفظ وجود میں آتا ہے، لغت میں بعد میں جگہ پاتا ہے۔ جدید مرثیہ گو نے مرثیہ کے کسی خاص موضوع یا انداز بیان کی سختی سے پابندی نہیں کی پھر بھی اپنے اپنے انداز اور الفاظ میں ہر پہلو پر اظہار خیال کیا ہے۔ نتیجتاً فنی فکری اور معنوی حیثیت سے علامت نگاری کے ذریعے مرثیہ کی زبان کو وسعت اور گہرائی حاصل ہوئی ہے۔''[۱]

قدیم اور جدید مرثیوں میں فضائل اور مصائب ایک ہیں لیکن بیان کرنے کا انداز الگ ہے۔ جدید مرثیہ میں مختلف موضوعات کی فلسفیانہ توجیہ پیش کی گئی ہے۔ ان مرثیوں میں منافقت کی جا بجا مذمت کی گئی ہے۔ ۶۱ ہجری میں حق و صداقت کو صرف ایک یزید سے سامنا تھا، آج قدم قدم پر یزیدیت سامنے ہے۔ پھر بھی اس سے ٹکرانے کے لیے کوئی حسین نظر نہیں آتا۔ حالانکہ ''لازم ہے کہ ہر فرد حسینؑ ابن علیؑ ہو'' اس کی وضاحت جدید مرثیوں میں نئے اسلوب نئی زبان نئی طرز فکر سے ملتی ہے۔

۱۔ اردو مرثیہ میر انیس کے بعد، ص ۱۳۰

مثال کے طور پر دیکھئے جدید مرثیہ نگار نے حسینیت اور یزیدیت یعنی حقیقی اسلام اور بناوٹی اسلام میں کس خوبی سے حد فاصل قائم کی ہے:

منتظر وقت کو تھا ایسے ہی اسلام سے کام ارتقاء دونوں نظریوں کا ہوا طشت از بام
ایک اسلام سے منسوب حکومت کا نظام دوسرا مورد آلام حقیقی اسلام
ایک سر چڑھ کے یزید اموی میں بولا دوسرا بس کے حسینؑ ابن علیؑ میں بولا

❖

جدید مرثیہ نگار کی ادبی اہمیت اس کے قومی اور ملی، سیاسی اور معاشرتی شعور کی وجہ سے ہے، نسیمؔ کا یہ بند دیکھئے:

تھر تھراتے ہیں قدامت کے فلک بوس محل گھر کے آئے ہیں تجدد کے بھیانک بادل
سنبھل اے رہرو گم گشتہ ایام سنبھل ہر قدم اک نئی آفت ہے ذرا دیکھ کے چل
چھپ کے بیٹھا ہے تیری گھات میں دشمن تیرا کہیں کانٹوں میں الجھ جائے نہ دامن تیرا[1]

یہ اشارہ سرف مسلمانوں کو فعال اور سر گرم عمل بنانے کے لیے نہیں ہے بلکہ ہر فرد کے لیے ایک ذہنی بیداری کی کوشش ہے۔ اسی طرح جمیلؔ کے مرثیوں میں ترقی پسند تحریک کے رجحان کا پتہ چلتا ہے۔ انہوں نے اپنے مرثیوں میں قوم کو مصروف بکا کرنے کے بجائے انہیں جگانے کا جذبہ اور تصور ان کی فلسفیانہ فکر و سیاسی بصیرت اور تاریخی شعور کا پتہ چلتا ہے۔ جمیلؔ نے اپنے افکار کے ذریعے عزت نفس، شرافت اور اصول پسندی سے ملوکیت کے خلاف کمر بستہ رہنے کی ترغیب دی ہے اور اس کے مقصد اصلی کی جانب یوں اشارہ کرتے ہیں :

زندگی ان کی جو ہوں صاحب احساس و شعور صادق القول وفادار اولوالعزم غیور

۱۔ مراثی نسیم، جلد دوم، صفحہ ۹۱، ۹۰

غازی و صف شکن و معرکہ گیر و منصور　　اپنی ہمت کے دھنی اپنے ارادوں کے غیور
اپنی ٹھوکر پہ رکھیں افسر شاہی ایسے　　قسمت اس قوم کی جس میں ہوں سپاہی ایسے[1]

❖

اسی طرح جوش نے تاریخی اور مذہبی دونوں حیثیت سے نئی نئی تشبیہات و استعارات کا استعمال کرکے موجودہ دور میں پیدا شدہ خلفشار، بدامنی، سرمایہ داری اور امارت پرستی کے خلاف آواز بلند کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ جوشؔ نے حضرت امام حسینؑ کے کارناموں اور فلسفہ انقلاب کی مثالیں دے کر ان کو جوش دلایا ہے:

مجروح پھر ہے عدل و مساوات کا شعار　　اس بیسویں صدی میں ہے پھر طرفہ انتشار
پھر نائب یزید ہیں دنیا کے شہریار　　پھر کربلائے نو سے ہے نوع بشر دوچار
اے زندگی جلال شہ مشرقین دے　　اس تازہ کربلا کو بھی عزم حسینؑ دے[2]

❖

غرض کہ جدید مرثیہ نگاروں کی یہ طرز ادا زبان و بیان اور رنگ و آہنگ روایتی مرثیہ سے میل نہیں کھاتا بلکہ ایک انوکھی اور نرالی کیفیت اور تاثر رکھتا ہے۔ تھوڑے ہی بندوں میں پوری تاریخ کا مزہ آتا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے کیف و کم کے اعتبار سے ایک ڈرامائی حسن پیدا کرتا ہے۔ طرز فکر اور طرز ادا کے اعتبار سے کربلا کے رزمیہ پہلو کے مقابلے میں اس کے فکری و اخلاقی اور درسی پہلو کو ابھارنے کی کوشش کا پتہ چلتا ہے۔ قدیم مرثیہ نگار نے حضرت امامؑ کو امام کی حیثیت سے پیش کیا ہے لیکن جدید مرثیہ نگار انہیں کامل انسان کی شکل میں دیکھتا ہے۔ اس کی نظر میں حسین محسن اسلام ہونے کے علاوہ محسن انسانیت ہیں۔ اسی لئے جدید مرثیہ نگار فکر و فلسفہ کے ساتھ منطقی بحث کرکے امام عالی مقام کو عام انسانی زندگی کے لئے ایک لائحہ عمل قرار دیتا ہے۔ کربلا کی آفاقی اور کائناتی حیثیت کیا ہے اور اس کی ہمہ گیری کے کیا اسباب ہیں؟ اس قسم کے علمی اور فکری مباحث جدید مرثیہ کے خاص اوصاف ہیں۔ جس طرح زندگی متحرک ہے اور ہر آن تغیر پسند ہے اسی طرح

۱۔ ہلال نقوی، جمیل مظہری کے مرثیے، ص ۲۴
۲۔ جوشؔ، یاد و نغمات، ص ۱۹۶

اس کے خلق کردہ ادب کا معیار بھی متحرک ہے۔ اس طرز فکر اور اسلوب موجود وقت کی ضرورت کے مطابق نئے نئے رخ اور انداز اپناتا رہا ہے اس جدید انداز فکر میں تاریخی شعور کے ساتھ فلسفیانہ اور منطقانہ استدلال کے ساتھ عقیدت مندی اور ادبی شان بھی ہے۔

دور جدید میں مرثیہ نگاروں کی ایک قابل قدر تعداد سامنے آئی ہے۔ ڈاکٹر ہلال نقوی لکھتے ہیں:

> ''تقسیم کے بعد شعراء بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ہندوستان کو جو حصہ ملا اس میں جمیلؔ مظہری، نجم آفندی، زائرؔ سیتاپوری اور اولاد حسین شاعر تھے اور پاکستان کے حصے میں جو جدید مرثیہ گو آئے ان میں جوشؔ ملیح آبادی، نسیمؔ امروہوی اور سید آلؔ رضا جیسے نام شامل ہیں۔''[۱]

ضمیر اختر نقوی نے جعفر علی خاں اثر لکھنوی کے بھی ایک مرثیہ کا ذکر کیا ہے جو جدید رنگ میں ہے۔[۲]

ضمیر اختر کے ہی خیال کا اعادہ ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی نے بھی بس اسی قدر کیا ہے۔ اثرؔ کا مذکورہ مرثیہ غالباً غیر مطبوعہ ہونے کی بنا پر دستیاب نہیں ہے۔ باوجود کوشش بسیار کے اس کا پتہ نہیں لگ سکا اس لئے اس قدر لکھنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ضمیر اختر نے ان مرثیہ گویوں کے نام بھی لیے جن کا مرثیہ دور جدید میں روایتی رنگ لیے ہوئے ہے۔ وہ ہیں بابو صاحب، فائق، لڈن صاحب، فائز، خبیر لکھنوی، مہذب لکھنوی۔ ان کے علاوہ آشفتہ لکھنوی میر مانوس، فرزند حسن جلیلؔ، رفیع ذاکر اور سلطان صاحب مزید مختصر یہ کہ جدید مرثیہ تاریخ کے اوراق پارینہ اور اپنے طرز کہن سے جدید رنگ میں کہنے والے شعراء کے فکر و نظر کی بناء پر طرز کہن یعنی محض اظہار عقیدت اور اسباب گریہ فراہم کرنا اور اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کو ستم رسیدہ اور مصیبت زدہ کے روپ میں زیادہ تر دیکھا گیا ہے۔ حالانکہ حسینؑ نام ہے ایک عزم کا ایک حوصلہ کا جسے بعد کے مرثیہ نگاروں نے اپنے فکر و شعور حسینؑ ناخدائے انسانیت ایمان و آشتی، قربانی، شجاعت، حریت، راست روی کا پیکر بلکہ علامت کے طور پر پیش کیا ہے چنانچہ امن و آشتی خیر و حق پرستی

۱۔ ہلال نقوی، مرثیۂ عظیم، ص ۱۲

۲۔ ضمیر اختر نقوی، اردو مرثیہ پاکستان میں، ص ۹۹

کا درس لیتا ہے اس لحاظ سے ملی حیثیت کے ساتھ مذہب اور انسانی فطرت کی بلندی اور عظمت کی ضمانت بھی دیتا ہے۔

جدید مرثیہ کی خصوصیات کو اگر فرداً فرداً بیان کیا جاتا تو صفحات کی کمی اس طوالت کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ لہٰذا مجموعی اعتبار سے جدید مرثیہ کی خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆☆☆

منابع و مآخذ

- جوشؔ، یاد و نغمات، مکتبہ اردو لاہور، ۱۹۴۱ء
- ذاکر حسین فاروقی، دبستان دبیر، الواعظ صفدر پریس، لکھنؤ، ۱۹۴۴
- سید آلِ رضا، مراثی رضاؔ، خراسان اسلامک ریسرچ سینٹر، کراچی
- ضمیر اختر نقوی، اردو مرثیہ پاکستان میں، ۱۹۸۲ء
- طاہر حسین کاظمی، اردو مرثیہ میر انیس کے بعد، ایرانین آرٹ پرنٹرس دہلی، ۱۹۹۷ء
- مرثیۂ عظیم۔ ڈاکٹر ہلال نقوی، دانیال اکیڈمی، کراچی ۱۹۸۰ء
- ہلال نقوی، جمیل مظہری کے مرثیے
- وحید الحسن ہاشمی، عظمت انسان مع مقدمات، تعلیمی پریس لاہور، ۱۹۶۷ء